حقیقت تصوف

فقر واحسان یا رہبانیت وخانقاہیت

از

(جناب مولوی محمد قطب الدین احمد صاحب. حیدر آباد دکن)

(۲)

اتہام رہبانیت | یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تصوف ترک دنیا، بے عملی اور رہبانیت کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ یہ دنیا نہیں بلکہ اس کے بے اعتدالانہ استعمال سے روکتا ہے۔ اس کی تعلیم ہے کہ انسان کو خدا کی عطا کردہ تمام نعمتوں سے استفادہ کرنا چاہیئے، لیکن اس طرح کہ ان کی محبت دل میں جاگزیں نہ ہونے پائے۔ جیسا کہ کسی عارف تام المعرفت کا قول ہے، دنیا در دل در دست و در دست دوار، یعنی آنجا غطا میشود داین جا عطا، امام احمد غزالی نے خواجہ ابو سعید ابو الخیر کے شاہانہ طمطراق اور کرو فر کو دیکھ کر یہ اعتراض کیا کہ ہر وقت دوسروں کو دنیا اور اس کے تعلقات سے انقطاع و علیحدگی کی ترغیب وتحریص اور خود کی یہ حالت کہ مکان کا ہر گوشہ سر وسامانِ دنیوی سے معمور اور اصطبل اونٹوں اور گھوڑوں سے بھرپور ہیں جن کی طنابیں ابریشمی اور میخیں سنہری ہیں ان کا برجستہ جواب یہ دیا گیا کہ "میخ آں در گل زدہ ام نہ در دل" جب جامیؒ نے خواجہ عبید اللہ احرار سے پہلی دفعہ ملاقات کی تو ان کی امیرانہ شان وشوکت کو دیکھ کر یہ مصرع دبی آواز میں گنگنایا، نہ درویش آنکہ دنیا دوست دارد، خواجہ احرار نے فوری اس کا یہ جواب دیا، اگر دارد برائے دوست دارد، فقر وشاہی کو باہم سمونے میں یہ ایک مجتہدانہ شان رکھتے تھے چنانچہ تاریخِ تصوف میں یہ شعر ان کی اس حالت کا بہترین آئینہ دار ہے

چو فقر اندر لباسِ شاہی آمد ز تدبیرِ عبید اللّٰہی آمد

• مقتضائے شریعت اور منشائے رسالت بھی یہی ہے کہ حدودِ الٰہی میں رہ کر دین و دنیا دونوں کو ساتھ ساتھ نبھایا جائے۔

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی کہ ہوں ایک جینیدی و اردشیری

• انسان کا دنیا اور نعائمِ دنیا سے تعلق اس مرغابی کی طرح رہو جو ہر وقت پانی میں رہتا ہے لیکن جب اُڑتا ہے تو ایک قطرۂ آب اس کے بال و پر سے چسپیدہ نہیں رہتا۔ آمیختہ ہمہ کس باش و آویختہ کس مباش۔

بگیر رسمِ تعلق دلا ز مرغابی کہ او از آب چو برخاست خشک پر برخاست

جو کچھ تباہی ہے وہ تعلقاتِ دنیوی سے وابستگی میں ہے، دنیوی نعمتوں سے نفع اٹھانے میں نہیں کیونکہ یہ طیبات اور زینت اللہ ہیں اور پیدا ہی انسان کے لئے کی گئی ہیں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صٰلِحًا ؕ اور قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ اس روش اور اندازِ زندگی پر ناطق و شاہد۔

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

عارف رومی نے اس صورتِ حال کا کس قدر بصیرت افروز نقشہ کھینچا ہے:۔

آب در کشتی ہلاکِ کشتی است آب اندر زیرِ کشتی پشتی است

• حضرت محبوب الٰہیؒ کا یہ ملفوظ، جس کو حسن سنجری نے فوائد الفواد میں نقل کیا ہے، ترکِ دنیا کی اصل حقیقت کو کس خوبی کے ساتھ واشگاف کیا گیا ہے، "ترکِ دنیا آں نیست کہ کسے خود را برہنہ کند، لنگوتہ بہ بندد و بنشیند، ترکِ دنیا آنست کہ لباس بہ پوشد، و طعام بخورد و آنچہ میرسد روا بدارد، و بجمع آں میل نہ کند، و خاطر را متعلق چیزے ندارد، ایں ترکِ دنیا ست"۔

کسی شخص نے ایک مال دار صوفی کو لکھا کہ تمہارے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے، یہ صحبتِ مار ہے جو کسی دن تمہیں ڈس جائے گی، اس کے جواب میں اُس نے لکھا کہ "صحبت مار کسے را

زباں کنند کہ افسونِ مار مذا مذ"۔

مال را گر بہر دیں باشی حمول   نعم مالٌ صالحٌ گوید رسولؐ

مطالباتِ نفس نفس کے مطالبات دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک حقوق اور دوسرے حظوظ، حقوق وہ ہیں جو قوامِ بدن اور بقائے نسل وحیات کے لئے ناگزیر ہیں، اور حظوظ وہ ہیں جو جسم و جان کے لئے عیش و نشاط کا سروسامان بہم پہنچاتے اور لذت اندوزیوں کا ساز و برگ مہیا کرتے ہیں مگر جو زندگی کے قیام و بقا کے لئے لابدی نہیں، مجاہدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حقوق کو باقی رکھے اور حظوظ کے حصول کے درپے نہ ہو، اور ان کے اہتمام میں اپنا وقت ضائع نہ کرے، اور اگر یہ بلا مشقت حاصل ہوں تو ان سے اعراض نہ کرے کیوں کہ یہ کفرانِ نعمت ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے   مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

خواجہ نقشبندؒ کا یہ قول ہماری چشمِ بصیرت کو کس قدر کھولنے والا ہے "لقمہ چرب بخور و کار را خوب کن، بالجملہ مدار کار بر طاعت است، ہر قدر کہ ممد است مبارک است، وانچہ مخل ایں کار خانہ است ممنوع" بہرحال ہر معاملہ میں نیت اور خوشنودی رب پیشِ نظر رہے۔ مرزا مظہر جان جاناںؒ کے الفاظ ہیں: "طعام اگر بہ نیت ادائے شکر با مزہ سازند، احسن می نماید، کہ در صورت بے مزگی شکر از تہ دل نمی آید۔ طعام لذیذ را با آمیزش آب نیے مزہ ساختن نعمتِ الٰہی را بخاک انداختن است"۔ ایک مرتبہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے عارف تھانویؒ سے مخاطب ہو کر یہ کہا تھا کہ "اشرف علی پانی خوب ٹھنڈا پینا چاہیے، تاکہ ہر بن مو سے الحمد للہ نکلے اگر گرم پانی پیا جائے تو زبان تو الحمد للہ کہے گی مگر دل شریک نہ ہوگا"

دنیا اور اہل دنیا کے ساتھ صوفیاء کا طریق عمل جس قرآن میں اللہ کی نعمتوں اور زینت اللہ کا بار بار ذکر کیا گیا ہو، اور جن کو خدائے تعالیٰ بندوں پر اپنے احسانات میں شمار کرتا ہو، ان سے یہ خدا کے بندے کس طرح مجتنب رہ سکتے تھے۔ سماع کے جواز و عدم جواز سے قطع نظر اس سے اس امر کا اتنا تو ضرور ثبوت ملتا ہے کہ ان حضرات میں راہبانہ تقشف اور زاہدانہ بیوست

وخشک دماغی مطلقاً نہیں تھی۔ لحن وصوت کی دلآویزیوں سے کس کو انکار ہو سکتا ہے، خوش آویزی کے جو اثرات قلب و روح پر مترتب ہوتے ہیں اگر وہ کسی پاکیزہ مقصد کے لئے کام میں لائے جائیں تو بہت کچھ نفع حاصل ہو سکتا ہے، شاعری اور موسیقی ایک ہی حقیقت کے دو جلوے ہیں۔ زمرۂ صوفیاء میں جیسے باکمال شاعر ہوئے ہیں، ایسے ہی فن موسیقی میں بھی انھیں دستگاہ حاصل تھی، چنانچہ امیر خسرو، ملا عبدالقادر بدایونی، بحر العلوم، شاہ عبدالعزیز دہلوی، مرزا مظہر جان جاناں اور خواجہ میر درد کو اس فن میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ ابوالکلام آزاد نے فن موسیقی کی بابت بالکل سچ کہا ہے: "اس بات کی عام طور پر شہرت ہے کہ اسلام کا دینی مزاج فنونِ لطیفہ کے بالکل خلاف ہے اور موسیقی محرماتِ شرعیہ میں داخل ہے حالانکہ اس کی اصلیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ فقہا نے سدِ وسائل کے خیال سے اس بارے میں تشدد کیا، اور یہ تشدد بھی بابِ قضا سے تھا، نہ کہ بابِ تشریع سے، قضا کا میدان نہایت وسیع ہے جو چیز سوء استعمال سے کسی مفسدہ کا وسیلہ بن جائے، قضاءً روکی جا سکتی ہے لیکن اس سے تشریع کا حکم اپنی اصلی جگہ سے ہل نہیں سکتا قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ، ان لوگوں کے یہ وقتی اشتغالات بھی محض نشاط آفرینیوں کے لئے نہیں ہوتے تھے بلکہ ان سے بھی وہ عشقِ الٰہی کے جذبات کو بھڑکانے کا کام لیتے تھے اور وجد وحال کی سرمستیوں میں اپنی زندگی معشوقِ حقیقی پر نچھاور کرتے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے" اخبار الاخیار میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی رحلت کا واقعہ اس طرح درج ہے در خانہ شیخ علی سکری صحبت بود خواجہ در آنجا حاضر بود، قوال ایں بیت شیخ احمد جام برخواند: کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است خواجہ را ایں بیت در گرفت وچہار شبانہ روز در تحیر بود در بریں بیت ذوق داشت و شب پنجم رحلت کرد

حاصلِ عمر نثارِ رہ یارے کردم شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم

مردم گریزی اور کم آمیزی کا بھی الزام ان پر لگایا جاتا ہے۔ ان کے ہاں یہ چیز کیسے بار پا سکتی ہے جب کہ اسلام کی تعلیمات اس کے ہر ماننے والے کو یہ تلقین کرتی ہے کہ کشمکشِ حیات میں پوری

طرح حصہ لینے ہی سے انسان کی خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہوتیں اور ممکنہ قوتیں ابھرتی ہیں۔ جب یہ صورتِ حال ہو تو جن نفوسِ قدسیہ کی تمام تر زندگی کتاب و سنت کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی تھی، وہ کیسے اس سے گریز کر سکتے تھے، اور زندگی کی ہماہمی سے الگ تھلگ رہ کر آبادیوں سے دور غار و کوہ میں زاویہ نشینی اختیار کر سکتے تھے۔ بیہقی نے شعب الایمان میں اور ترمذی نے اپنی جامع میں حضورؐ کا ایک اثر پیش کیا ہے کہ:- "وہ مسلمان جو لوگوں میں مل جل کر رہتا ہے اور ان کی تکلیف دہی پر صبر کرتا ہے، اس سے بہتر ہے جو لوگوں سے نہیں ملتا، اور ان کی تکلیف دہی پر صبر نہیں کرتا، عارف رومی نے "الرھبانیۃ فی الاسلام اور الجماعۃ رحمۃ" کے زیرِ عنوان اپنے ایک ملفوظ میں اس حقیقت کو یوں بے نقاب کیا ہے، مصطفےٰ صلعم کوشش در جمعیت نمود کہ جمع ارواح را اثرہاست بزرگ و خطیر در وحدت و تنہائی آں حاصل نشود و سرِ ایں کہ مسجد ہا بنا نہادہ اند آنست تا اہلِ محلہ آنجا جمع شوند تا رحمت و فائدہ افزوں باشد و خانہائے جداگانہ برائے تفریق و سترِ عیبہا و جامع را نہادند تا جمعیت اہلِ شہر آنجا باشد و کعبہ را واجب کردند تا اغلب خلقِ عالم از بلاد و اقالیم آنجا جمع گردند۔ انبیاء علیہم السلام را بخلق مشغول کردہ مصطفےٰ صلعم را امر کرد کہ خلق را دعوت و صلاح کن و نصیحت دہ "خواجہ ابو سعید ابو الخیر کا قول ہے کہ" مرد آں بود کہ درمیان خلق نشیند و داد و ستد کند، و زن خواہد و با خلق در آمیزد و دمے از خدائے خود غافل نشود" کمال تقویٰ یہی ہے کہ پانی میں رہ کر دامن تر نہ کیا جائے اور کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو پیدا کی جائے۔

صحبتِ دنیا مثالِ گلخن است کہ از و حمام تقویٰ روشن است

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جو برگزیدہ ہستیاں مجتہدینِ فن اور اساطینِ تصوف شمار کی جاتی ہیں ان کی زندگیاں تہذیب و تمدن کے عین مرکزوں میں رہ کر ابنائے جنس کی اصلاح و ارشاد میں بسر ہوئیں۔ عطار و سنائی۔ جنید و شبلی۔ شیخ جیلی و غزالی، بختیار کاکی و محبوب الٰہی، مجدد الف ثانی و شاہ ولی اللہ دہلوی کے ارشاد و ہدایت کی درسگاہیں بخارا و سمرقند، بغداد و دمشق اور لاہور و دہلی جیسی دار الحکومتوں میں تھیں۔ اگر ترک اور تیاگ تصوف کا نصب العین ہوتا تو یہی اصحاب

کہف کی طرح کسی زاویۂ خمول میں محو خواب ہوتے

دنیا کی عشاء ہو جس سے اشراق　　　مومن کی اذاں ندائے آفاق

فقرِ قرآن | قرآنی فقر تسخیر جہات، اور انفس و آفاق پر حکمرانی کی تعلیم دیتا ہے، غار و کوہ میں عزلت گزینی اور سبز نزیری کی نہیں۔ اسی فقر پر حضورؐ نے فخر و ناز فرمایا تھا، "الفقر فخری" یہی وہ فقر ہے جس پر اقبال نے حرف و صوت کے پردوں میں اس طرح زمزمہ سنجی کی ہے:۔

فقرِ قرآں احتساب ہست و بود　　　نے رباب و مستی و رقص و سرود
فقر مومن چیست تسخیرِ جہات　　　بندہ از تاثیرِ او مولا صفات
فقر کافر، خلوت دشت و دراست　　　فقر مومن لرزۂ بحر و بر است
زندگی آں را سکون غار و کوہ　　　زندگی ایں را ز مرگ با شکوہ
آں خودی را جستن از ترک بدن　　　ایں خودی را چوں چراغ افروختن
آں خودی را کشتن و واسوختن　　　ایں خودی را چوں چراغ افروختن
فقر چوں عریاں شود زیر سپہر　　　از نہیب او بلرزد ماہ و مہر
فقر عریاں گرمیٔ بدر و حنین　　　فقر عریاں بانگ تکبیر حسینؓ
فقر خیبر گیر با نان شعیر　　　بستۂ فتراک او سلطان و میر
فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضاست　　　ما امینیم ایں متاع مصطفےٰؐ است
با سلاطیں در فتد مردِ فقیر　　　از شکوہ بوریا لرزد سریر
قلب او را قوت از جذب و سلوک　　　پیش سلطاں نعرۂ او لا ملوک

حکمت دیں دل نوازیہائے فقر
قوت دیں بے نیازیہائے فقر

دورِ تنزل و انحطاط | کوئی تحریک جب اپنے دورِ تنزل سے گذرتی ہے اور افراط و تفریط میں پڑ کر عمل و ردِ عمل کے اثرات سے مسخ ہو جاتی ہے تو برائیاں خوبیوں کی جگہ لے لیتی ہیں۔ پہلے جو باتیں عیب

شمار کی جاتی تھیں، وہ اب مہتر بن جاتی ہیں۔ فروعات کو اساسیات کا درجہ دیا جانے لگتا ہے۔ جتنی جو چیز حقیقت سے دور ہوتی ہے اس کو اتنی ہی سرگرمی کے ساتھ قبول کیا جاتا ہے، اور غیر ضروری امور پر شدت و تاکید کی جاتی ہے۔ یہی حال مختلف اسلامی علوم کا ہوا۔ فقہ اسلامی کو جب حیلہ بازیوں اور کام جوئیوں کا ذریعہ بنایا گیا، اور تقلید پرستیوں نے اجتہاد کے دروازوں پر قفل چڑھا کر متروک العہد پارینہ و فرسودہ فیصلوں کو قانون و دستور کی صورت دے دی، تو مسلمانوں کی عملی زندگی جسد بے روح ہو کر رہ گئی۔ اسی طرح علم کلام میں جب تشکیک و شبہات کی گرم بازاری ہوئی تو عقائد متزلزل ہونا شروع ہوئے اور ایک عام ذہنی انتشار رونما ہوا۔ کچھ ایسی ہی صورتِ حال تصوف کو بھی پیش آئی۔ جب ظاہر و باطن اور شریعت و طریقت میں فرق و امتیاز کیا گیا تو دنیا پرستی سے گریز کو رہبانیت کی شکل دی گئی، اور مجاز پرستی، پیر پرستی اور قبر پرستی، نغمہ و سرود اور وجد و حال کو روحانی ترقی کے لئے لازمی گردانا گیا، توکل جس کا مطلب اسباب پر اعتماد نہ کرنا تھا، ترکِ اسباب سمجھا گیا، تفویض اور رضا بالقضاء کو جہولیت و بے دست و پائی کا رنگ دیا گیا۔

مسکینی و دل گیری و نومیدیِ جاوید محکوم ہو سالک تو یہی اس کے مقامات

مختلف گمراہیوں کا علم تصوف آماجگاہ بن گیا، اور متعدد غیر اسلامی و راہبانہ اور جوگیانہ طریقے رواج پذیر ہوئے دلق ہزار پیوند، تسبیح ہزار دانہ، خانقاہ نشینی و چلہ کشی، وجد و حال و قوالی، اور درگاہوں پر اعتکاف و مجاوری اصل مطلوب و مقصود بن گئی

تو تا کے گور مرداں را پرستی به گرد کار مرداں گرد رستی

تصوف کا ابتدائی زینہ علم تھا، درمیانی درجہ عمل، اور انتہائی مرتبہ موہبت من اللہ۔ اس کی ابتدائی و درمیانی حالتیں اکتسابی تھیں، اور آخری مرتبہ وہبی تھا۔ سنتِ الٰہی یہ رہی ہے کہ جو کسی چیز کے لئے جد و جہد کرتا ہے تو اس کی کوششوں کا صلہ ضرور ملتا ہے۔

بہ جستجوئے نیابد کسے مراد و لے کسے مراد بیابد کہ جستجو دارد

جو کسی کی راہ میں اپنا سب کچھ تج دے کر سعیِ پیہم کرتا رہتا، اور کسی کے دیدار کے لئے سرگرداں

رہتا ہے، تو وہ ضرور کسی نہ کسی وقت لطفِ دید سے شادکام ہوتا ہے

گر نشینی بر سرِ کوئے کسے — عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

لیکن دورِ تنزل میں علم و عمل سے بیگانہ ہو کر اس موہبت کو بھی ایک میراث سمجھا گیا اور خلافت و سجادگی نے ایک رسمی اور موروثی نوعیت اختیار کر کے عقابوں کے نشیمنوں کو زاغوں کے تصرف میں دے دیا۔ وسعتِ افلاک میں جن مردانِ خود آگاہ کی تکبیریں گونجتی تھیں ان کے مزاروں پر استخواں فروشی کرنے والوں نے آغوشِ خاک میں سر بزانو، خرقہ و عمامہ پہنے، ریش و کاکل چھوڑے ساری ریاکاریوں اور ظاہر داریوں کے ساتھ مصروفِ سبحہ خوانی، اور ساز و آواز کے میٹھے بولوں اور سریلے نغموں پر پائے کوب و دست افشاں اور وقفِ رامش گری تھے۔ ان کے اور ان کے اسلاف میں کرگس و شاہین کا سا فرق تھا۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں — کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

تسبیح و تہلیل میں یہ بھی رطب اللسان اور ان کے پیشرؤں کے کام و دہن بھی ان ہی اذکار سے لذت گیر تھے، مگر دونوں میں فرقِ زمین و آسمان کا۔

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل — یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات

وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست — یہ مذہبِ ملا و نباتات و جمادات

مجاہدات، مراقبات و ریاضات محض ذرائع تھے حصولِ مقاصد کے، یہ خود مقصود بالذات نہ تھے جن مجاہدوں نے ان کے اسلاف کو تسخیرِ جہات اور جہانگیری کے گر سکھائے تھے ان میں سے ان نام نہاد پرستارانِ تصوف نے مسکینی و دل گیری کی تعلیم لینی شروع کی و دورِ عروج میں جن چیزوں سے ترقی حاصل ہوئی تھی، زمانۂ انحطاط میں شکست خوردہ ذہنیت، قنوطیت و یاسیت نے ان ہی سے ذل و مسکنت، گوسفندی و روباہی اور فلسفۂ میشی سیکھنا شروع کیا سحابِ رحمت کی تراوش سے دنیا کا کون سا گوشہ خالی ہے، ایک ہی آبِ زلال سے باغ و چمن شاداب ہوتے ہیں اور صحرا و ریگ زار بھی، استعداد و صلاحیتوں کے تنوع سے کہیں لالہ و گل لہلہا اٹھتے اور کہیں

خس و خاشاک ابھر آتے ہیں

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

وہی کتاب و سنت، اور وہی فقر و احسان، صرف نقطۂ نگاہ کے بدل جانے اور ذہنی صلاحیتوں سے تہی دامن ہونے نے یہ قلب ماہیت کر دی

ہر چہ گیرد علتی، علت شود
کفر گیرد کاملے، ملت شود

اقبال اگرچہ دلق و کلاہ، اور سر تراشی کی ظاہر داریاں نہ رکھتے تھے، مگر درویشی اور قلندروں کے کوچوں سے خوب واقف تھے۔ راز درون خانہ کو کیا واشگاف، اور دل کے روگوں کی کیسی صحیح نبض شناسی کی ہے۔

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری
اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہانگیری

اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری
اک فقر سے مٹی میں خاصیت اکسیری

اک فقر ہے شبیری، اس فقر میں ہے میری
میراث مسلمانی، سرمایۂ شبیری

زندگی کا جوش جب کسی قوم میں افسردہ و مردہ ہو جاتا ہے، تو وہ موت ہی کے آغوش میں پناہ ڈھونڈھتی ہے، چنانچہ گم گشتگان راہ طریقت نے درگاہوں اور مزاروں ہی کی آڑ پکڑی۔ جب تک حقیقی اسلامی تصوف کار فرما رہا، فقر و احسان کا میدان عمل حکومتوں کے پائے تخت تھے، لیکن جب قوائے عمل مضمحل ہو گئے تو تکیوں اور مرگھٹوں میں اس نے اپنا نشیمن بنایا اور خوئے گدائی و دریوزگی میں خود کو پختہ تر کر لیا۔

فقیراں تا بہ مسجد صف کشیدند
گریبان شہنشاہاں دریدند

چو آں آتش درون سینہ افسرد
مسلماناں بہ درگاہاں خزیدند

راہ توسط و اعتدال | شریعت اور اللہ کے مقرر کردہ حدود میں رہ کر جو کام بھی کیا جائے وہ مستحسن ہے صراط مستقیم یہی توسط و اعتدال کی راہ ہے۔ اس راہ سے ایک خفیف سا انحراف بھی گمراہی و ضلالت کی طرف لے جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ حضور اقدس صحابہ کے عبادات میں بھی کسی قسم

کے توغل کو ناپسند فرماتے تھے۔ روایت ہے کہ چند صحابی ازواجِ مطہرات کے پاس آئے اور حضور کی عبادتوں کے متعلق دریافت کرنے لگے اور اپنی دانست میں ان کو کم سمجھ کر ایک نے کہا میں ہر وقت روزہ رکھوں گا دوسرے نے کہا میں اپنی زندگی کی تمام راتیں قیام و سجود میں گذار دوں گا۔ تیسرے نے کہا میں مدت العمر تجرد کی زندگی خود پر لازم کروں گا۔ اس موقع پر حضورؐ رونق افروز ہوتے، اور ان دعاوی کو سن کر یہ ارشاد ہوا کہ خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نمازیں بھی پڑھتا ہوں اور راتوں کو سوتا بھی ہوں، اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کئے ہیں، جو کوئی میری سنت سے ہٹا وہ مجھ سے نہیں ہے۔ حضرت سلمانؓ نے حضرت ابو درداؓ سے کہا، تمہارے رب کا تم پر حق ہے، تمہارے نفس کا تم پر حق ہے، اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے، پس ہر ایک کا حق اس کے حق کے مطابق ادا کرو۔ جب یہ چیز حضورؐ کے علم میں لائی گئی تو آپ نے حضرت سلمانؓ کی توثیق فرمائی۔ اسلام ترکِ دنیا نہیں بلکہ دنیا کو دین بنانے کی تعلیم دیتا ہے۔ خواجہ نقشبندؒ کا ارشاد ہے، "اندکے طاعت بطریق سنت و عزیمت غلبہ کند بر بسیارے کہ بطریق بدعت و ضلالت باشد۔"

یک دستۂ گل دماغ پرور از خرمنِ صد گیاہ خوشتر

حدِ اعتدال سے کسی چیز کا تجاوز خواہ وہ کتنی ہی اچھی ہو، موجب مضرت ہے اسلام کے تمام اوامر و نواہی کا منشا افراد میں خصائل حمیدہ کا پیدا کرنا اور اس سے ایک صالح معاشرہ کو وجود بخشنا ہے۔ عبادات و مجاہدات کا حاصل بھی یہی ہے۔ اگر یہ اوصاف پیدا نہیں ہو رہے ہیں، تو ایسے تمام اعمال بے سود ہیں۔

گر موجب ہنگامہ نہ ہوں منبر و محراب دیں، بندۂ مومن کے لئے موت ہے یا خواب

اسی اعتدال اور تجاوز عن الحد کا نتیجہ ہے کہ تصوف میں فقر و احسان نے رہبانیت و خانقاہیت کی صورت اختیار کر لی جو برگزیدہ ہستیاں کسی وقت دن کی روشنیوں میں فرسان اور رات کی تاریکیوں میں رہبان تھے، یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ انہی کے پیرزوں نے شب کی خلوتوں اور دن

کی جلوتوں میں سربزیری اور گوشہ گیری اختیار کرلی۔ ان میں پیر پرستی، مجاز پرستی، اور قبر پرستی وغیرہ جیسے امراض کی تولید ہوئی، اور ان کثرت پرستیوں کے سبب خانقاہیں بت کدے بن گئے جن کو دیکھ کر فیضی جیسا ملحد بھی پکار اٹھا۔

یارب زسیلِ میکدہ طوفاں رسیدہ باد بت خانہ کہ خانقہش نام کردہ اند

یہ ساری گمراہی و بدبختی کتاب و سنت سے دوری و مہجوری کا نتیجہ تھی

بہ مصطفٰےؐ برساں خویش راکہ ایں ہمہ اوست اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی ست

شریعت و طریقت باہم متلازم ہیں | تصوف کی موجودہ شکل یا ان غیر اسلامی طریقوں کو دیکھ کر ہم تصوف کی اصل و حقیقت سے انکار نہیں کرسکتے اگر استعداد و صلاحیتوں کے فقدان، اور کسی چیز کے بے اعتدالانہ استعمال سے کوئی خرابی واقع ہوتی ہو، تو اس سے اس چیز کی خوبی پر کیا حرف آسکتا ہے کیا اسلامی تعلیمات کو مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی کا سبب قرار دیا جاسکتا ہے، جیساکہ بعض کوتاہ اندیشوں کا خیال ہے۔ جس جمود و بے حسی کا وہ اس وقت شکار ہیں، کیا یہ ان ترقی پسند تعلیمات سے پیدا ہوسکتی ہے، جس نے کسی وقت انھیں بامِ ترقی پر پہنچایا تھا اور ہر شعبہ زندگی میں دنیا کی قیادت عطا کی تھی جب حقیقت اس کے خلاف ہے تو محض رہبانیت اور خانقاہیت کو دیکھ کر اس کے اسلامی الاصل ہونے سے انکار کرنا قرین انصاف نہیں شک و ریب سے منزہ ایک کتاب زندہ ہمارے پاس موجود ہے۔ یہ ایک ایسا معیار ہے، جس پر ہر چیز کی صداقت جانچی جاسکتی ہے خود اپنے آثار و اخبار کے متعلق بھی حضورؐ نے اسی محک صداقت کو پیش فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

إِذَا أَتَاكُمْ حَدِيثٌ فَهُوَ إِنْ كَانَ مُوَافِقًا بِالْقُرْآنِ فَاقْبَلُوهُ وَإِلَّا فَرُدُّوهُ

اگر کسی وقت تمہیں کوئی حدیث پہنچے اور وہ قرآن کے موافق ہو تو اسے قبول کرلو ورنہ اسے رد کردو۔

اس اسوۂ کاملہ کی پیروی میں جمیع اربابِ تصوف کا اس پر اجماع ہے

كُلُّ طَرِيقَةٍ رَدَّتْهُ الشَّرِيعَةُ فَهِيَ زَنْدَقَةٌ

یعنی ہر وہ چیز جس کو شریعت رد کردے، گمراہی ہے

اگر کوئی ایسی چیز جو خوش عقیدگی یا بد عقیدگی کے زیر اثر ان بزرگوں کی ذات سے منسوب کی جاتی ہے جو کتاب و سنت کے خلاف ہو تو اس کی تسلیم سے انکار کر دیا جائے۔ کیونکہ ان برگزیدہ ہستیوں کی عظمت و بزرگی ایسی چیزوں کے قبول کرنے میں نہیں بلکہ رد کر دینے میں ہے۔

مرا بر مسند جم می نشانند الٰہی بر سرِ آں کو نشستم

شریعت و طریقت میں باہم کسی قسم کا تضاد و تخالف نہیں ہے بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے متابع ہیں اور بالفاظ شیخ سرہندی، "طریقت و حقیقت ہر دو خادمان شریعت اند" سید احمد رفاعی مرشد کے کاموں کی تعیین کے ساتھ مرید کو اس طرح ہدایت کرتے ہیں: شیخ آنست کہ ترا در راہ کتاب و سنت بیندازد، و از محدثات و بدعات دور نماید، شیخ آنست کہ ظاہرش و باطنش شرع باشد۔ طریقت عین شریعت است۔ اگر مردے را بینی در ہوا می پرد، اعتبارش مکن تا آں کہ اقوال و افعالش را بترازوئے شرع نسنجی۔ برائے حصول مراتب اعلیٰ بدامن پاک پیغمبر ذیشان تمسک نمائے، و شرع شریف را پیش چشم بگذار و شاہراہ اجماع برو۔ بخدا اعتصام کتاب و سنت کن، و غیر آں ہر چیز را بگذار، پیرزادوں اور مریدوں کو یہ وصیت کرتے ہیں، رواق شیخ را حرم، گورش را صنم، حالش را آلات گرفتن و رسم مساز، مردم آنست کہ شیخ بدان افتخار نماید نہ دے بشیخ۔ جو تعلق صورت کو معنی سے، ظاہر کو باطن سے، اور قشر کو مغز سے ہے، وہی شریعت و طریقت میں باہمی نسبت ہے۔ جب بھی کتاب و سنت کو مضبوطی کے ساتھ تھام کر اس طریق پر چلا جائے گا تو دین و دنیا کی فوز و فلاح متیقن، اور زندگی کی ہر راہ میں کامرانی و فیروزمندی یقینی ہوگی۔

بہ منزل کوش مانند مہ نو دریں نیلی فضا ہر دم فزوں شد

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر بحق دل بند و راہ مصطفیٰ رو

اسلام کی نشاۃ جدید! اسلام میں حسب و نسب پر تفاخر اور دیگر مذاہب کے جیسی دین داروں اور دنیا داروں کی طبقاتی تقسیم نہیں ہے بلکہ کسی درمیانی وسیلہ کے دین کی فہم و تفہیم کا ہر ایک کے لئے دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اگر ایک حبشی نژاد بھی عالم دین ہو تو سینکڑوں عالی نسب قریشی اس

کے آگے زانوئے ادب تہہ کرنے میں کچھ عار نہ سمجھیں گے۔ حضورؐ کی ایک حدیث ہے جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، ایک قرآن اور دوسرے میری عترت، اگر تم ان کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے یہاں عترت سے مراد نسل و خاندان کے افراد مراد نہیں بلکہ اس کا مفہوم اولادِ روحانی اور سچے پیروانِ اسلام ہے، جو قرآن اور دیگر صحف سماوی کی عام تعبیرات سے ہے جب کبھی اسلام پر ابتلاء و آزمائش کے سخت ترین دور آئے تو اصحاب باصفا، وورثاء انبیاء، روح اسلام کو برقرار رکھنے اور اصل دین کی حفاظت میں سدِ آہنی بن کر مقابلہ کے لئے کھڑے ہو گئے۔ یورپی اہل فکر کو اس پر حیرت ہوتی ہے کہ باوجود اسلام پر بارہا سیاسی زوال آنے کے اسلام کا دینی زوال تو ایک طرف بلکہ ایسے وقتوں میں یہ بالعموم اپنے دورِ شباب کی رعنائیاں حاصل کرتا رہا۔ بقول ہٹی (Hitti) اکثر ایسا ہوا کہ سیاسی اسلام کے تاریک ترین لمحات میں مذہبی اسلام نے بعض نہایت مہتم بالشان کامیابیاں حاصل کیں۔ پروفیسر ایچ۔ اے۔ گب نے تو کھلے الفاظ میں اس کا اعتراف ہی کر لیا "تاریخِ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا بڑی شد و مد سے مقابلہ کیا گیا ہے لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیاء کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آ جاتا تھا اور اس کو اتنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی" ہر دور میں ایسے افراد رہے ہیں جنہوں نے روح اسلام کو اپنا لیا ہو جن کا شمار اپنے اپنے عہد میں مصلحین و مجددین امت میں ہوتا رہا ہے، خواہ وہ دلق و کلاہ میں ملبوس ہوں یا کوٹ اور پتلون در بر کئے ہوئے ہوں۔ کبھی یہ ابو حنیفہ بن کر آئے کبھی غزالی، ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ، جمال الدین افغانی اور اقبال کی صورت میں جلوہ گر ہوئے۔ اسلام ظاہر داریوں کو نہیں دیکھتا بلکہ قلب و ذہن کی کیفیتوں کا جائزہ لیتا ہے۔ پرستارانِ اسلام کے آئندہ جو نمونے ہوں گے وہ غالباً اقبال جیسی شکل و صورت کے ہوں گے۔

اقبال قبا پوشد در کار جہاں کوشد　　　　دریاب کہ درویشی با دلق و کلاہے نیست

آثار و علائم بتلاتے ہیں کہ اسلام میں نیا انقلاب جو رونما ہوگا . . . .

اس میں پیش پیش یہی جدید تعلیم یافتہ طبقہ ہوگا ملائیت اور مذہبی پیشوائیت اپنے دن دیکھ چکی۔ اسلام کا آنے والا دور اصل و روح کے اعتبار سے تو وہی ہوگا جو قرآن و سنت میں پایا جاتا ہے مگر اپنی تفصیلات و جزئیات میں قرونِ اولیٰ وازمنۂ متوسطہ کی ہو بہو نقل نہ ہوگا، کیوں کہ مقتضیاتِ زمانہ اور حالات کے تقاضے بالکل بدل چکے ہیں، مگر اس دور کی سعادتیں اور برکتیں بالکل خیر القرون جیسی ہوں گی۔ اس شاندار مستقبل کی پیشین گوئیاں خود قرآن و حدیث میں بھی موجود ہیں

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ — عنقریب ہم ان کو نفس انسان کے اندر اور خارج کی دنیا میں اپنے نشانات دکھائیں گے (یعنی ان کو نفسیات، طبعیات اور حیاتیات کے بعض حقائق سے آشنا کریں گے) حتیٰ کہ ان پر ثابت ہو جائے گا کہ قرآن خدا کی سچی کتاب ہے "هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ" اس دور کی درخشانی و آفاق گیری کا نقشہ حدیث میں ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے "خوش ہو جاؤ! خوش ہو جاؤ! بے شک میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے کہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی ابتدا بہتر ہے یا انتہا، یا اس باغ کی طرح ہے جس میں سے پہلے ایک فوج ایک سال تک خوراک حاصل کرتی رہی اور پھر ایک اور فوج ایک سال تک خوراک حاصل کرتی رہی۔ ممکن ہے کہ دوسری فوج وسعت میں تعداد میں اور عمدگی میں پہلی فوج سے بڑھ کر ہو"

نزول مسیح اور ظہور مہدی کی بابت اگرچہ روایات کا ایک زائد حصہ ضعیف ہے۔ مگر مہدی کی امامت اور مسیح کے اقتدار سے ایک اعتبار یہ پیدا ہوتا ہے کہ دنیائے عیسائیت اسلام کے پرچم تلے آکر مسلمانوں کے دوش بدوش اعلائے کلمۃ الحق کی خدمات انجام دے گی۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں — محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

ڈاکٹر رفیع الدین نے اپنی حالیہ کتاب "قرآن اور علم جدید" میں موجودہ دور کے مقتضیات و اضطرابات کے پیش نظر ہونے والے واقعات کی پیش قیاسی نہایت مدلل الفاظ میں کی ہے۔ "اہل امریکہ کچھ عرصہ

سے بے تاب جستجو کر رہے ہیں کہ اشتراکیت کا ایک علمی جواب مہیا کیا جائے، امریکن ازم میں صلاحیت نہیں کہ اشتراکیت کا کامیاب اور معقول رد کر سکے.. اشتراکیت کا علمی جواب صرف مسلمانوں کے پاس ہے۔ قرآن کے خلاف باطل تصورات کی رزم آرائی درحقیقت ایک عارضی ہنگامہ ہے، جس کے دامن میں خدا کی بے پایاں رحمت پوشیدہ ہے۔ یقینی بات ہے کہ اسلام کی نشاۃ جدیدہ کے ہراول دستے اسی کے گرد وغبار سے نمودار ہوں گے۔ مغرب کے فلسفہ نے اسلام کو چیلنج دے کر اسے ایک نئی قوت کے ساتھ میدان میں اترنے کے لئے مہیا کر دیا ہے جیساکہ ٹائن بی (Toynbee) کہتا ہے کہ ہر نئی تہذیب ایک چیلنج کا نتیجہ ہوتی ہے اسلام کی نئی زندگی حکمتِ مغرب کا نتیجہ ہوگی اس چیلنج کے جواب میں اب اسلام ایک نئے دور میں داخل ہو رہا ہے اس کے جمود کا زمانہ ختم ہو گیا ہے اور اس کے حق میں ایک ایسا ذہنی انقلاب رونما ہونے والا ہے جو اسے آخر کار زمین کے انتہائی کناروں تک پھیلا دے گا۔ بطور جملہ معترضہ یہ چند چیزیں نوک قلم پر آگئیں جن کا اظہار تبرعاً کر دیا گیا اگرچہ یہ موضوع سے قدرے ہٹی ہوئی ضرور ہیں مگر نفع سے خالی نہیں پھر ہم اپنے اصل موضوع کی طرف عود کرتے ہیں۔

تتمۂ بیان: تصوف کی بابت درسگاہی قیل وقال عبث ہے۔ یہ از سرتاپا عمل کی تعلیم دیتا ہے یہ گفتار کا غازی نہیں بلکہ کردار کا غازی بنانا چاہتا ہے ہمیں جو کام کرنا ہے وہ یہ ہے کہ روحانی امراض کے جو نسخے ان طبیبوں نے مختلف بیماریوں کے تجویز کئے ہیں ان کو آزمایا جائے اور دیکھا جائے کہ کہاں تک یہ ازالۂ مرض اور شفایابی میں کارگر ہو سکتے ہیں۔

یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ تصوف اسلام ہی کا شجر طیبہ ہے، جس کی جڑیں ارض حرم میں ثابت ومحکم اور شاخیں فضائے سماوی میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس کی تنصیب ذاتِ رسالت کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی، اور آبیاری صحابہ نے کی تابعین، تبع تابعین اور اولیائے کرام نے مختلف زمانوں میں اپنے انتھک مجاہدات سے اس کو پروان چڑھایا۔ گاہے بگاہے قومی تقاضوں اور گردوپیش کے حالات کے تحت اس پر عملِ تعلیم بھی ہوتا رہا لیکن خذ ماصفا کے اصول کے پیش

نظر صرف وہی چیزیں لی گئیں جو حصولِ مقصد میں ممد و معاون تھیں جن کا درجہ اساسات کا نہیں فروعات و لاحقات کا رہا جو عارضی و موقتی ہوتے ہیں۔ اقبالؔ نے سید سلیمان ندوی کے نام اپنے ایک مکتوب میں، اجزائے تصوف کے رد و قبول کی بابت ایک نہایت صحیح معیار قایم کیا ہے۔

"تصوف سے اگر اخلاص فی العمل مراد ہے (اور یہی مفہوم قرونِ اولیٰ میں اس سے لیا جاتا تھا) تو کسی مسلمان کو اس پہ اعتراض نہیں ہو سکتا ہاں جب تصوف فلسفہ بننے کی کوشش کرتا ہے اور عجمی اثرات کی وجہ سے نظامِ عالم کے حقائق اور باری تعالیٰ کی ذات کے متعلق موشگافیاں کر کے کشفی نظریے پیش کرتا ہے، تو میری روح اس سے بغاوت کرتی ہے" شاہ صاحب نے بھی اپنی کتاب ہمعات میں بڑی حکیمانہ بات کہی ہے "ارباب تصوف پر بحث کرتے وقت ہمیشہ اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ان بزرگوں کے ہر طبقہ کے اقوال و احوال کو ان کے زمانے کے ذوق کے مطابق جانچا جائے اس سلسلہ میں یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ ہم ایک عہد کے اربابِ تصوف کے اقوال و احوال کو دوسرے عہد کے معیاروں سے ناپتے پھریں" اپنے وصیت نامہ میں شاہ صاحب نے ایک اور انوکھی چیز بیان فرمائی ہے "انسانی فطرت کی طلب مبدار فیاض سے ایک ایسی چیز کی تھی جو اس کی نجات کا راستہ دکھاتے، یہ وہی شریعت اور اس کے احکام ہیں۔ خلاصہ یہ کہ احکامِ شریعت تمام افراد نوعِ انسانی پر اسی طرح لازم ہیں جس طرح صورتِ نوعیہ تمام افرادِ انسانی میں پائی جاتی ہے کسی کی خصوصیت نہیں۔ نہ اس سے کوئی مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔ البتہ فنا و بقا، استہلاک و انسلاخ افرادِ انسانی کی فطری خصوصیات کے لحاظ سے مقصود ہیں نہ کہ عام افرادِ انسانی کے لئے کیونکہ تمام انسان روحانیت اور تجرد کی اعلیٰ قابلیت پر پیدا نہیں ہوتے خداوند تعالیٰ ان کو فطری راہ سے ہدایت فرماتا ہے۔"

مگر یہ احکامِ الٰہی نہیں ہیں بلکہ شخصی فطرت کی طلب کا انصرام ہے، شارعؑ کا کلام ہرگز اس مقصد کے لئے نہیں ہے صراحتاً نہ اشارتاً البتہ شارعؑ کے کلام سے ایک خاص جماعت نے اس کو سمجھا ہے جس طرح کوئی شخص لیلیٰ مجنوں کے کوائف سنے اور اس کی زندگی پر یہ حالات منطبق ہونے لگیں۔ اس کو اعتبار کہتے ہیں۔"

خلاصہ یہ کہ انسلاخ واستہلاک کے ذریعوں میں ہر کس و ناکس کا منہمک اور مشغول ہو جانا ملتِ مصطفویہ کے لئے نہایت دردناک ہے، خدائے تعالیٰ فضل کرے اس شخص پر جو شاہراہِ عام سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ یہ انسانوں کی خاص فطرت ہی کے لحاظ سے درست ہے :

"اگرچہ اس زمانہ کے بہت سے صوفیا کو میرا یہ کلام سخت ناگوار گذرے گا، لیکن مجھ کو زید و عمرو سے کچھ واسطہ نہیں مجھ کو جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اسی کے مطابق کہتا ہوں "

اس سے یہ معلوم ہوا کہ ہر شخص کو جنید و شبلی بننے کی ضرورت نہیں حسبِ استعداد وہ ذوق جو جتنا چاہے حاصل کر سکتا ہے عام افرادِ ملت کے لئے صرف نیت کے اخلاص کے ساتھ احکامِ شریعت کی بجا آوری بھی سب سے بڑا مجاہدہ ہے۔

نہ در بندِ فقیری شو، نہ میلِ دولتے کن سفر در پیش داری، ساعتے بنشین رہِ طے کن

ختمِ کلام پر اکبر الہ آبادی کا تصوف کی بابت ایک قطعہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ آداب و تمکین کی سنجیدگیوں کو تفنن و خوش طبعی کی شگفتگیوں سے بدلا جائے اور ہم ہنستے ہوئے چہروں اور مسکراتے ہوئے لبوں کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا ہوں۔ دیکھئے حقیقت و ظرافت کو کس کمالِ فن کے ساتھ باہم آمیز کیا گیا ہے

شریعت درِ محفلِ مصطفےٰ طریقت عروجِ دلِ مصطفےٰ

عبادت سے عزت شریعت میں ہے محبت کی لذت طریقت میں ہے

شریعت میں ہے صورتِ فتحِ بدر طریقت میں ہے معنی شقِ صدر

شریعت میں ہے قیل و قالِ حبیب طریقت میں حسن و جمالِ حبیب :

نبوت کے اندر ہیں دونوں ہی رنگ

عبث ہے یہ صوفی و ملا کی جنگ

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

"کتابیات"
(مآخذ و اسناد)

اس مضمون کی تیاری میں مفصلۂ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا:۔

۱۔ کشف المحجوب شیخ علی الہجویریؒ۔
۲۔ تفسیر مولانا یعقوب چرخیؒ۔
۳۔ سبع سنابل مولانا عبدالاحد بلگرامیؒ۔
۴۔ سیر الاولیاء۔
۵۔ فوائد الفواد۔
۶۔ مکتوبات امام ربانی۔
۷۔ معمولات مظہریہ۔
۸۔ کلمات طیبات۔
۹۔ ارشاد الطالبین قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ
۱۰۔ اخبار الاخیار شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
۱۱۔ ریاض المرتاض نواب صدیق حسن خاں
۱۲۔ افاضاتِ یومیہ و مواعظ اشرفیہ، مولانا اشرف علی تھانویؒ
۱۳۔ القول الجمیل شاہ ولی اللہ دہلوی
۱۴۔ ہمعات " " "
۱۵۔ تجدید تصوف و سلوک عبدالباری ندوی
۱۶۔ تصوف اسلام عبدالماجد دریابادی
۱۷۔ ترجمان القرآن، غبار خاطر، حالات سرمد،
۱۸۔ تاریخ مشائخ چشت خلیق احمد نظامی
۱۹۔ بزم صوفیہ صباح الدین عبدالرحمٰن
۲۰۔ تفہیم القرآن ابوالاعلیٰ مودودی
۲۱۔ قرآن اور علم جدید ڈاکٹر رفیع الدین